ساردابل اور قانون انسداد شادی بچگان مسلمانان ہند کا ردِ عمل۔ ایک جائزہ

مجیب احمد ☆

برصغیر پاک و ہند میں برطانوی عہد حکومت (۱۸۵۸ء۔۱۹۴۷ء) کے دوران مسلمانانِ ہند کو جہاں اپنی سیاسی قوت و اہمیت سے محروم ہونا پڑا وہیں انہیں سماجی، معاشرتی اور تہذیبی شعبہ ہائے حیات میں بھی احساس محرومی اور اپنی کم مائیگی کا احساس شدت سے دلایا گیا۔ اقتدار سے محرومی، معاشی تنگ دستی اور سماجی و تہذیبی حوالوں کی توہین اور تباہی، مسلمان برداشت کر رہے تھے۔ لیکن اس عہد غلامی میں بھی وہ اسلام کے بارے میں اتنے حساس تھے کہ نہ ہی ہندوؤں اور نہ ہی انگریز سامراج کو وہ اس بات کی اجازت دینے کو تیار تھے کہ ان کے دین اور دینی و فقہی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے۔ چنانچہ جب ۱۸۵۰ء میں قانونِ وراثت میں ترمیم کر کے مرتد کی وراثت کو تسلیم کیا گیا، ۱۸۶۴ء میں قاضی عدالتوں کو ختم کیا گیا، ۱۸۷۲ء میں اسلامی قانون شہادت کو ختم کیا گیا، شفعہ اور وقف کے قوانین میں تبدیلیاں کی گئیں اور جب بیسویں صدی کے آغاز میں شعوری طور پر تحریک اہانت رسول کریم ﷺ شروع کی گئی تو مسلمانان ہند نے ان سب کے خلاف شدید اور موثر احتجاج کیا۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مجریہ ۱۹۱۹ء کی دفعہ ۶۷۔(۲) ب میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی رکن سمجھے کہ عوام کو اپنے مذہب یا مذہبی رسوم کے ادا کرنے میں کسی قسم کی کوئی مشکل پیش آ رہی ہے تو وہ ہندوستان کی اسمبلی کے کسی بھی اجلاس میں اس کی نشاندہی کر

☆ لیکچرر، شعبہ تاریخ، ایف۔جی قائداعظم کالج، چکلالہ سکیم نمبر ۳، راولپنڈی کینٹ

سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے گورنر جنرل کی پیشگی منظوری ضروری ہے۔ اس شق کے تحت رائے صاحب ہربیلاس ساردا نے گورنر جنرل کی منظوری سے یکم فروری ۱۹۲۷ء کو اسمبلی میں **Hindu Child Marriage Bill** کا مسودہ پیش کیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ بارہ سال سے کم عمر کی شادی کی رسم، جو ہندو معاشرے میں رائج ہے، کو ختم کیا جا سکے۔ تاکہ اس کے مضر اثرات سے زوجین، خصوصاً لڑکی اور اس کی اولاد کو بچایا جا سکے۔ جب یہ مسودہ قانون اسمبلی میں پیش ہوا تو بعض مسلم ارکان اسمبلی، جن میں نمایاں نام ابراہیم رحمت اللہ، تصدق احمد خاں شیروانی، مولانا محمد شفیع داؤدی(۱۸۷۹ء۔۱۹۴۹ء) اور مولانا محمد یعقوب (۱۸۷۹ء۔۱۹۴۲ء) کے ہیں، نے رائے ظاہر کی کہ اس مسودہ قانون کا اطلاق مسلمانوں پر بھی کیا جائے۔[1] مولانا محمد یعقوب کے خیال میں اسلام عموماً بلوغت کے بعد ہی شادی کی حمایت کرتا ہے۔ تاہم خصوصی حالات کے تحت لڑکی کی شادی اوائل عمر میں کرنا پڑتی ہے۔ اس لیے اسلام نے شادی کے لیے عمر کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔[2] جن مسلم ارکان اسمبلی نے ابتداً ساردا بل کی حمایت کی تھی، انہوں نے جب بل کے خلاف مسلم رائے عامہ کا بھرپور اور متفقہ احتجاج دیکھا اور علماء سے اس مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا تو اکثر نے اپنی رائے بدل لی اور بل کی حمایت سے دستبردار ہوگئے۔ ان میں نمایاں نام مولانا محمد یعقوب کا ہے۔

ستمبر ۱۹۲۷ء میں یہ بل سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کیا گیا اور حکومت ہند کے ایک خصوصی حکم کے تحت اس بل کو رائے عامہ سے استصواب کے لیے مشتہر کیا گیا۔ اسمبلی کی سلیکٹ کمیٹی نے ہندوستان بھر کا دورہ کر کے، مختلف الخیال لوگوں کے بیانات قلمبند کیے اور اپنی رپورٹ تیار کر کے حکومت کو پیش کر دی۔ کمیٹی نے بل میں جو ترامیم تجویز کی تھیں اور جو سفارشات کی تھیں وہ بھی رپورٹ کے ساتھ حکومت کو پیش کی گئیں۔

اسمبلی کی سیلکٹ کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں یہ موقف اختیار کیا کہ قرآن مجید میں ایسی کوئی نص نہیں کہ جس سے کسی خاص عمر میں نکاح یا زفاف کا حکم ملتا ہو۔ اس لیے شادی کے لیے کسی عمر کا متعین کرنا کسی حکم قرآنی کے خلاف نہیں۔ احادیث نبوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رپورٹ میں کہا گیا کہ جتنی احادیث نبوی ارکان کمیٹی کے علم میں

آئی ہیں ان میں بعد از بلوغت نکاح اور زفاف کی حمایت کی گئی ہے۔ اس لیے اس سلسلے میں قانون سازی سے کسی حدیث نبوی کی بھی نفی نہیں ہوتی۔ اسلامی قانون سازی کے تیسرے ماخذ اجماع سے متعلق رپورٹ میں خیال ظاہر کیا گیا کہ تحدید عمر ازدواج کے مسئلہ پر ہندوستانی علماء کا اجماع قائم نہیں ہے اور قیاس کے متعلق رپورٹ میں امید ظاہر کی گئی کہ اس کے تحت ساردا بل کی حمایت کی جائے گی کیونکہ یہ بل رفاہ عامہ کے لیے ہے اور کیونکہ اسلام کے نقطہ نظر سے شادی کا اصل مقصد اولاد صالح کا حصول ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی بہتر طور پر عبادت و خدمت کر سکے اور ظاہر ہے کہ صغر سنی کی شادی سے اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے جس سے وہ اپنی پیدائش کے اصل مقاصد پورے نہیں کر سکتی۔(۳)

اٹھارہ رکنی سیلکٹ کمیٹی کے تین مسلم ارکان نے رپورٹ پر اپنے اپنے اختلافی نوٹ لکھے۔ جن میں مولانا محمد یعقوب بھی شامل تھے۔ انہوں نے رپورٹ پر اپنے اختلافی نوٹ میں واضح طور پر بیان کیا کہ۔

> مسلمانوں کے معتمد علماء اور معتبر حلقے اس بل کے مسلمانوں پر اطلاق کو مذہبی مداخلت سمجھتے ہیں...... اور شیعوں کے نقطہ خیال کے معلوم ہونے میں بہت کمی رہی ہے اور جب تک ان کا نقطہ خیال نہ معلوم ہو جائے نیز مسلمانوں کے مقتدر علماء اور مذہبی رہنماؤں کے بیانات شامل مسل نہ ہو جائیں اس وقت تک بل کا اطلاق مسلمانوں پر کرنے کا فیصلہ نہ کیا جائے۔(۴)

تاہم ۲۳ ستمبر ۱۹۲۹ء کو ساردا بل، قانون ساز اسمبلی سے ۱۴ کے مقابلہ میں ۶۷ ووٹ سے منظور ہو کر کونسل آف سٹیٹ سے بھی ۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء کو منظور ہو گیا۔ اگرچہ ساردا بل ایک پرائیویٹ بل تھا مگر سرکاری ارکان اسمبلی نے بھی اس کی حمایت کی جس کی وجہ سے یہ فوری طور پر منظور ہو گیا۔ بل جس صورت میں منظور ہوا، اس کی دفعات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ (الف) اس کا نام قانون انسداد شادی بچگان ہوگا۔

(ب) اس کا نفاذ تمام برطانوی ہند میں ہوگا۔ برطانوی بلوچستان اور سنتھال پرگنہ میں بھی عائد ہوگا۔

(ج) اس پر عمل درآمد یکم اپریل ۱۹۳۰ء سے شروع ہوگا۔

۲۔ (الف) اس قانون میں "بچہ" سے مراد ۱۸ سال سے کم عمر کا لڑکا اور ۱۴ سال سے کم عمر کی لڑکی ہے۔

(ب) شادی بچگان سے مراد ایسی شادی ہے جس میں دولہا یا دلہن "بچہ" ہو۔

(ج) فریقین شادی سے مراد وہ شخص ہیں جن کی شادی ہو۔

(د) نابالغ سے مراد ۱۸ سال سے کم عمر کا لڑکا یا لڑکی ہے۔

۳۔ جو مرد ۱۸ سال سے ۲۱ سال کی عمر کے درمیان کمسن کی شادی کرے گا اسے ایک ہزار روپے تک جرمانہ کی سزا دی جائے گی۔

۴۔ جو مرد ۲۱ سال سے زائد عمر میں کمسن کی شادی کرے گا وہ ایک ماہ تک قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی سزا کا مستوجب ہوگا۔

۵۔ جو کوئی کمسن کی شادی کا انتظام کرے گا یا اس کی رہنمائی کرے گا یا رسم ادا کرائے گا وہ ایک ماہ قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی سزا کا مستحق ہوگا۔ اگر وہ یہ ثابت نہ کر سکے کہ اس کے پاس یہ باور کرنے کی وجوہات تھیں کہ وہ شادی کمسن کی شادی نہیں تھی۔

۶۔ (الف) اگر کوئی نابالغ کمسن کی شادی کرے تو وہ آدمی جو ماں باپ یا سرپرست یا کسی دیگر قانون یا غیر قانونی حیثیت سے اس نابالغ کا انچارج ہو۔ اور جو اس شادی کے لیے کوئی کارروائی کرے یا شادی کی اجازت دے یا لاپروائی کی وجہ سے اس شادی کو منع نہ کرے اسے ایک ماہ قید محض یا ایک ہزار روپے جرمانہ کی سزا ملے گی لیکن عورتوں کو قید کی سزا نہیں دی جائے گی۔

(ب) بشرطیکہ برعکس ثبوت بہم نہ پہنچایا جائے یہ تصور کر لیا جائے گا کہ نابالغ کے محافظ کی شادی کرنے میں نابالغ کا سرپرست لاپروائی کی وجہ سے شادی کو روکنے میں ناکام رہا ہے۔

۷۔ ۱۸۹۷ء کے جنرل کلاز ایکٹ کی دفعہ ۲۵ یا تعزیرات ہند کی دفعہ ۶۴ کے باوجود کوئی عدالت اس قانون کی دفعہ ۳ کے مطابق کسی مجرم کو سزا دیتے ہوئے اس بات کی مجاز نہ ہوگی کہ بصورت عدم ادائیگی جرمانہ ملزم کو قید کی سزا دے سکے۔

۸۔ ضابطہ فوجداری ۱۹۲۸ء دفعہ ۱۹۰ کے باوجود پریذیڈنسی مجسٹریٹ یا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سوا کسی بھی عدالت کو اس قانون کے ماتحت کسی بھی جرم کی سماعت یا اس میں دست اندازی کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

۹۔ اس قانون کے متعلق کسی جرم کے بارے میں کوئی عدالت اس وقت تک غور نہیں کرے گی تاوقتیکہ استغاثہ شادی (جس سے وہ جرم تعلق رکھتا ہو) کو ایک سال ہونے سے پہلے پہلے دائر نہ کیا گیا ہو۔

۱۰۔ اس قانون کے ماتحت جرم کی سماعت کرنے والی عدالت بشرطیکہ وہ زیر دفعہ ۲۰۲ ضابطہ فوجداری استغاثہ کو خارج نہ کرے یا خود ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۰۲ کی رو سے تحقیقات کرے گی اور یا اپنے ماتحت کسی مجسٹریٹ درجہ اوّل کو ایسا کرنے کی ہدایت کرے گی۔

۱۱۔ (الف) مستغیث کا بیان لینے کے بعد اور ملزم کو حاضر ہونے کے لیے مجبور کرنے سے پہلے عدالت (سوائے اس حالت کے جب کہ تحریری وجوہات دی گئی ہوں) مستغیث سے اس معاوضہ کی ادائیگی کے لیے جو زیر دفعہ ۲۵۰ ضابطہ فوجداری اس پر لازم ہو سکتا ہے ایک سو روپے تک کی ضمانت کے ساتھ یا بلاضمانت مچلکہ طلب کرے گی۔ اور اگر وہ ضمانت عدالت سے مقرر کردہ معیاد کے اندر اندر داخل نہ کی جائے تو استغاثہ خارج کر دیا جائے گا۔

(ب) اس قانون کے ماتحت جو مچلکہ لیا جائے گا وہ ضابطہ فوجداری کے مطابق لیے گئے مچلکہ جیسا ہی سمجھا جائے گا اور اس پر ضابطہ فوجداری کا باب عائد ہوگا۔ (۵)

ساردا بل کے خلاف مسلمانان ہند نے بھرپور احتجاج کیا اور اس رائے کا اظہار کیا کہ یہ بل اسلامی احکام کے خلاف ہے۔ مسلمانوں پر اس کا اطلاق کرنا ان کے دین میں مداخلت ہے اور یہ اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے لیے ایک ہولناک خطرہ ہے۔ ساردا بل اور قانون انسداد شادی بچگان کے خلاف مسلمانوں نے کئی طریقوں سے احتجاج کیا۔ اس احتجاجی مہم کی قیادت علماء اور مختلف دینی جماعتوں کے ہاتھ میں تھی۔ جنھوں نے احتجاجی جلسے کر کے، قراردادیں منظور کر کے، مخالفانہ لٹریچر شائع کر کے نہ صرف اس قانون کے خلاف مسلم رائے عامہ کو بیدار اور منظم کیا بلکہ علماء نے متعدد مقامات پر اس قانون کی عملی طور پر خلاف ورزی کرتے ہوئے کئی کم سن لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاح پڑھائے اور بعدازاں خود ہی حکومت کو اس خلاف ورزی کی اطلاع بھی کرتے رہے۔

تحریری مخالفت

ساردا بل اسمبلی میں پیش ہوتے ہی علماء نے قرآن مجید اور احادیث نبوی کی روشنی میں اس کا رد کرنا شروع کر دیا تھا۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی (م۔۱۹۳۳ء) مفتی امرتسر نے اپنے ایک طویل مضمون میں مسئلہ ازدواج صغر سنی پر بحث کرتے ہوئے قرآن مجید، احادیث نبوی اور فقہاء احناف کی فقہی آراء کی روشنی میں ثابت کیا کہ اسلام میں صغر سنی کا نکاح شرعاً جائز ہے اور جو چیز شرعاً جائز ہو اس کو جرم قرار دینا ناجائز ہے۔ مولانا قاسمی کا موقف تھا کہ نابالغہ کے نفس نکاح کے جواز میں کوئی شبہ یا کلام نہیں تاہم علماء احناف کے نزدیک زفاف کے لیے تحمل زوج کی قابلیت ہونا ضروری ہے اور یہ بھی کسی معین مدت عمر کے تابع نہیں۔ (۶) مولانا خلیل احمد بستوی نے اپنے ایک مضمون میں بل کے حامی مسلم ارکان اسمبلی کی مذمت کرتے ہوئے واضح کیا کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں کسی

قسم کی اندرونی یا بیرونی اصلاح و ترمیم کی ضرورت نہیں۔ ساردا بل کو مداخلت فی الدین قرار دیتے ہوئے مولانا بستوی نے خیال ظاہر کیا کہ اس کے عواقب و نتائج خطرناک ہو سکتے ہیں اس لیے اسے منظور نہ کیا جائے۔(۷) مولانا نذیر احمد خجندی (م۔۱۹۳۶ء) نے اپنے ایک مضمون میں حکومت کو خبردار کیا کہ شادی بیاہ کا مسئلہ خالصتاً مذہبی ہے۔ اس لیے حکومت اس میں مداخلت نہیں کر سکتی اور حکومت کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنٰی کرے۔(۸) مولانا ابو المعانی محمد ابرار حسن صدیقی تلہری مفتی جماعت رضائے مصطفٰی بریلی (دسمبر ۱۹۲۰ء) نے اپنے ایک طویل مضمون میں ساردا بل اور سیلکٹ کمیٹی کی رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا کہ

> اگر یہ سفارشات منظور ہو گئیں تو اس کا اثر صرف مسلمانوں کی معاشرت اور تمدن پر نہیں پڑے گا۔ صرف یہ امر مداخلت فی الدین اور احکام شرعیہ میں رد و بدل اور ترمیم و تنسیخ ہی کے مترادف نہ ہوگا، وہ حکمتیں اور وہ مصلحتیں جو شریعت طاہرہ نے مسلمانوں کے لیے مسئلہ ازدواج صغار میں مضمر فرمائی ہیں صرف ان کی تفویت ہی نہ ہوگی بلکہ مسلمان ایک غیر معمولی تنگی میں مبتلا ہو جائیں گے اور شریعت حقہ نے مسلمانوں کو اس مسئلہ میں جو آزادی دے رکھی ہے اس کا کلیۃً ازالہ ہو جائے گا۔(۹)

مولانا تلہری نے بعد ازاں عقلی، سماجی، طبی اور شرعی دلائل کے ساتھ ساردا بل کا رد کرتے ہوئے واضح کیا کہ مسلمان اس قانون کو ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں کیونکہ اس کی منظوری سے مسلمان معاشرے کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں گی۔ علماء ہند سے اپیل کرتے ہوئے مولانا تلہری نے ان پر زور دیا کہ وہ اس نازک وقت میں اپنا کردار ادا کریں اور اس قانون کی نہایت شد و مد کے ساتھ مخالفت کریں۔ عوام الناس کو مخاطب کرتے ہوئے مولانا تلہری نے ان پر واضح کیا کہ اسلام مکمل دین ہے اس میں کسی قسم کی ترمیم و اصلاح کی گنجائش نہیں لہذا جو ایسا کرے گا وہ مداخلت فی الدین کا مرتکب ہوگا۔ اس لیے

عوام کو چاہیئے کہ وہ ہر شہر اور قصبہ میں احتجاجی جلسے کریں، اس قانون کے خلاف قراردادیں منظور کریں اور اپنے متحدہ احتجاج سے ایوان حکومت میں زلزلہ پیدا کر دیں اور حکومت پر واضح کر دیں کہ مسلمان، اسلام کے مقابلہ میں کسی جرمانہ و سزا کی پروا نہیں کرتے۔ اپنے مضمون کے آخر میں مولانا تلہری نے حکومت سے اپیل کی کہ وہ مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ کر دے ورنہ مسلمان اس کی مخالفت میں کسی لیت و لعل سے کام نہیں لیں گے۔(۱۰)

ساردا بل کے خلاف شریعت ہونے اور اس کے نقائص سے حکومت، ارکان اسمبلی اور عام مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لیے مفتی نعمت اللہ الہ آبادی (م۔۱۹۵۸ء) نے ۱۹۲۹ء میں ایک کتاب جواز نکاح نابالغاں لکھی۔ جس میں متعدد علماء ہند کی تصریحات بھی شامل تھیں۔ مفتی الہ آبادی نے قرآن مجید، احادیث نبوی اور آثار و اقوال صحابہ کرام و ائمہ کرام کے علاوہ عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کیا کہ اسلام میں نکاح نابالغاں پر اجماع امت ہے اور یہ مسلمانوں کا شرعی مسئلہ ہے جس میں کسی قسم کی ترمیم و اصلاح کی ضرورت نہیں اور اگر کسی نے اس قسم کی کوشش کی تو یہ مداخلت فی الدین ہوگی جسے مسلمان کسی طور قبول نہیں کریں گے۔(۱۱)

علماء ہند کی طرف سے ساردا بل پر سب سے مدلل اور جامع تبصرہ مدرسہ فتح پوری، دہلی کے صدر مدرس مولانا سلطان محمود نے اپنے رسالہ ساردا بل اور اسلام میں کیا۔ جس میں انہوں نے ساردا بل کے پیش کیے جانے کے پس منظر، اس کے درپردہ مقاصد، اس کے فکری و عملی نقائص اور مسلم معاشرے پر اس کے مرتب ہونے والے دور رس منفی اثرات کا بیان کرتے ہوئے واضح کیا کہ ساردا بل مسلمانوں کے قانون کے قطعاً خلاف ہے اور یہ مسلمانوں کی حریم عفت کو پارہ پارہ کر دینے والا قانون ہے۔ مولانا سلطان محمود بیان کرتے ہیں کہ نکاح فقط ایک معاشرتی معاہدہ ہی نہیں بلکہ یہ عبادت ہے اور امور شرعیہ میں سے ایک ہے۔ اس لیے شرعی امور میں ترمیم و اصلاح کا حق صرف شارع ہی کو حاصل ہے۔ کسی مسلمان کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی حکم شریعت کو منسوخ کرے ترمیم

یا اصلاح کرے، چہ جائیکہ انگریزی حکومت یا ہندوؤں کو یہ حق دیا جائے۔ شریعت نے کفار کو مسلمانوں پر کسی قسم کی ولایت نہیں دی۔(۱۲) ساردا بل کے دینی و دنیوی اعتبار سے ناقابل قبول ہونے کے حق میں دلائل دیتے ہوئے مولانا سلطان محمود نے واضح کیا کہ اس قانون کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اسلام کو مٹانے کا راستہ ہموار کیا جائے اور آئندہ جس حکم اسلامی کو چاہیں، بدل دیں اور ساتھ ہی مسلم معاشرے سے حیاء اور دینی غیرت کو ختم کر کے معاشرتی، سماجی اور جنسی بگاڑ پیدا کر دیا جائے۔(۱۳) آخر میں ان مسلم ارکان اسمبلی کی مذمت کرتے ہوئے، مولانا سلطان محمود نے انہیں متنبہ کیا کہ وہ اپنے زعم میں جو اصلاح رسوم نکاح کرنا چاہتے ہیں وہ اصل میں اصلاح نہیں بلکہ شریعت اسلامیہ میں بگاڑ ہے۔ جس کے لیے وہ اللہ تعالی کے حضور جواب دہ ہوں گے۔ عوام الناس سے اپیل کرتے ہوئے مولانا سلطان محمود نے ان پر زور دیا کہ وہ اللہ تعالی اور حضور اکرم ﷺ کی خوشنودی کے لیے متحد ہو کر اس قانون کی مخالفت اس طرح ڈٹ کر کریں کہ دشمنان اسلام کو آئندہ اس طرح کی قانون سازی کے لیے سوچنے کی بھی جرأت نہ ہو۔(۱۴)

مولانا سلطان محمود کے اس رسالہ پر دہلی کے دیگر جیّد علماء نے تقاریظ لکھ کر رسالہ کے نفس مضمون کی تائید کی۔ ان علماء میں نمایاں نام مفتی شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی(۱۸۸۶ء۔۱۹۶۶ء) خطیب و مفتی جامع مسجد فتحپوری کا ہے۔ مفتی دہلوی نے رسالہ پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ " مولانا سلطان محمود نے قانون ساردا بل کی مضار پر جس خوبی سے روشنی ڈالی ہے وہ قابل تحسین ہے اللہ تعالی مسلمانوں کو اس بلائے ناگہانی سے نجات دے"۔(۱۵)

ساردا بل کے خلاف آل انڈیا سنی کانفرنس (مارچ ۱۹۲۵ء) کے ناظم اعلیٰ مولانا شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی (۱۸۸۳ء۔ ۱۹۴۸ء) نے اپنے ماہنامہ السواد الاعظم (مراد آباد) میں متعدد مضامین لکھے۔ جس کے ذریعے مولانا مراد آبادی نے دلائل شرعیہ اور عقلیہ کے ساتھ ثابت کیا کہ قانون تحدید عمر ازدواج صریحاً مداخلت فی الدین بلکہ ابطال دین

ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس کے خلاف سراپا احتجاج بن جائیں۔ مولانا مراد آبادی کے نزدیک

> ساردا ایکٹ کا نفاذ مسلمانوں کے لیے سخت ناگوار مصیبت ہے اور اس سے ہندوستان بھر کے مسلمان مضطرب اور بے چین ہیں۔ گوشہ گوشہ سے اس کے خلاف احتجاج کی صدائیں بلند ہو چکی ہیں۔ مسلمانوں کا ہر ہر طبقہ اس سے بیزاری کا اعلان کر چکا ہے۔ ساردا قانون مذہب میں مداخلت بھی ہے۔ شرعی حقوق کا اتلاف بھی اور مسلمانوں کی معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے لیے تکلیف دہ و ضرر رساں بھی ہے۔ نتائج کے اعتبار سے مخرب اخلاق و دشمن صحت بھی ہے۔ ہندوستان میں ایک شور برپا ہے اور ہر ایک مسلمان اس سے ناخوش و [illegible] ہے۔(١٦)

مولانا سیّد محمد حبیب شاہ (۱۸۹۱ء۔۱۹۵۱ء) مدیر روزنامہ سیاست (لاہور) نے ساردا بل کی خلاف ورزی کے لیے مسلمانان پنجاب سے امداد طلبی کے لیے درخواست کرتے ہوئے ان پر زور دیا کہ شریعت حقہ کے احترام کے لیے لازم ہے کہ ساردا قانون کو توڑا جائے۔ کیونکہ یہ مداخلت فی الدین ہے۔ اب اس کے خلاف عملی اقدامات کی ضرورت ہے تاکہ حکومت کو مجبور کیا جائے کہ وہ اس قانون سے مسلمانوں کو مستثنیٰ رکھے۔(١٧)

عوامی احتجاج

ساردا بل پیش ہوتے ہی علماء اور عام مسلمانوں نے اس کی مخالفت میں احتجاجی جلسے منعقد کرنا شروع کر دیئے تھے جن میں علماء اور مسلم زعماء اس بل کے خلاف تقاریر کرتے، قراردادیں پیش کرتے تھے اور جلسے کے اختتام پر گورنر جنرل لارڈ اروِن(۱۸۸۱ء۔۱۹۵۹ء) کو احتجاجی تار ارسال کیے جاتے تھے۔

۱۲ اگست ۱۹۲۸ء کو بریلی میں خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں عرس مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں قادری بریلوی (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) کے موقع پر ہندوستان بھر سے جمع

ہونے والے جیّد علماء اور مشاہیر کا ایک اجتماع ہوا۔ جس کی صدارت مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی (۱۸۷۵ء۔ ۱۹۴۳ء) نے کی۔ اجلاس میں دیگر مسائل کے علاوہ ساردا بل کے بارے میں غور و خوض کیا گیا۔ اجلاس میں مولانا شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی نے ایک قرار داد پیش کی ۔ جس میں کہا گیا کہ " اہل اسلام کا یہ عظیم اجتماع بہ اتفاق رائے مسودہ نکاح کو مداخلت فی الدین جانتا ہے اور اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس ناقابل عمل اور خلاف شریعت اسلامی مسودہ قانون کو ہرگز قانون کا جامہ نہ پہننے دے"۔(۱۸)

۲۰ ستمبر ۱۹۲۹ء کو بعد از نماز مغرب، جماعت رضائے مصطفیٰ کے زیر انصرام مسلمانان بریلی کا ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی نے کی۔ جلسہ میں مولانا محمد ابرار حسن تلہری نے ایک قرارداد پیش کی۔ جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ نکاح کے لیے تعیین عمر سے باز رہے کیونکہ یہ مداخلت فی الدین ہے۔ ایسے قوانین سے مسلمانوں کی مذہبی و دینی آزادی سلب ہو رہی ہے۔ مسلمان ایسے قوانین کو جابرانہ خیال کرتے ہیں اور ان سے ان کی انتہائی دل آزاری ہو رہی ہے۔ قرارداد میں اس خدشہ کا اظہار کیا گیا کہ اگر آج مسلمان خاموش رہے اور انہوں نے اس قانون کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کی تو کل حکومت ایسے امور کی طرف قانون سازی کے لیے متوجہ ہو جائے گی جو سراسر عبادت ہیں۔ قرارداد کے آخر میں اس بات کا برملا اعلان کیا گیا کہ اسلام نے مسلمانوں کو جن امور میں آزاد کیا ہے وہ اس میں کوئی قید و پابندی پسند نہیں کریں گے۔(۱۹)

۲۲ ستمبر ۱۹۲۹ء کو مسلمانان گوپی گنج کا ایک جلسہ زیر صدارت مفتی ملک محمد قمر الدین رضوی، مدرسہ اسلامیہ رضویہ میں ہوا۔ جس میں ایک قرارداد کے ذریعے ساردا بل کو مداخلت فی الدین قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا گیا۔(۲۰)

۱۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (دسمبر ۱۹۰۶ء) کی دہلی شاخ کی مجلس شوریٰ کا ایک اجلاس مولانا احمد اللہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس نے اپنی اس

رائے کا اظہار کیا کہ ساردا بل سراسر خلاف شریعت اور مداخلت فی الدین ہے۔ اس لیے مجلس شوریٰ اس پر پرزور احتجاج کرتے ہوئے مطالبہ کرتی ہے کہ مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنٰی کیا جائے۔ اجلاس نے ان مسلم ارکان اسمبلی پر بھی اظہار افسوس کیا جنہوں نے بل کی حمایت کی تھی۔[۲۱]

جماعت رضائے مصطفیٰ کے زیر اہتمام قانون تحدید عمر ازدواج کے خلاف دوسرا جلسہ عام ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو بریلی کی جامع مسجد نو محلہ میں منعقد ہوا۔ جس میں مقامی علماء کے علاوہ دیگر مقامات سے آنے والے علماء نے بھی شرکت کی۔ جلسہ عام سے پہلے، بعد از نماز عصر، جماعت رضائے مصطفیٰ کی مجلس شوریٰ کا خصوصی اجلاس ہوا۔ جس میں اس قانون سے بچنے کے لیے مختلف اقدامات اور تدابیر پر غور کیا گیا۔ نماز عشاء کے بعد مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی کی صدارت میں جلسہ عام ہوا۔ جس میں مولانا معوان حسین مجددی رام پوری (م۔۱۹۳۳ء) خطیب شاہی مسجد، لاہور، مولانا محمد میاں مارہروی، مولانا شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی کے علاوہ دیگر علماء نے ساردا بل کے خلاف مدلل تقاریر کیں۔ جلسہ کے آخر میں کئی قراردادیں منظور کی گئیں جن میں کہا گیا کہ مسلمان ساردا ایکٹ کو شریعت میں صریحاً مداخلت، حقوق شرعیہ کا اتلاف اور مسلمانوں کی معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے لیے سخت مضر اور ناقابل برداشت پابندی سمجھتے ہیں، جن مسلم ارکان اسمبلی نے اس قانون کی تائید کی ہے ہم اس پر اظہار نفرت و حقارت کرتے ہیں اور دیگر مقامات کے مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ بھی ہر جگہ جلسہ منعقد کر کے اس ایکٹ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں۔ ایک دوسری قرارداد کے ذریعے حکومت کو ملکہ وکٹوریہ (۱۸۳۷ء۔ ۱۹۰۱ء) کا اعلان نومبر ۱۸۵۸ء یاد دلاتے ہوئے، کہ جس میں عدم مداخلت فی الدین کا یقین دلایا گیا تھا، گورنر جنرل سے پرزور اپیل کی گئی کہ وہ اس اعلان کی پابندی کرتے ہوئے اس قانون کو منسوخ کریں یا کم از کم مسلمانوں کو اس سے مستثنٰی کر دیں۔ جلسہ میں منظور کردہ تمام قراردادوں کی نقول گورنر جنرل اور انگریزی و اردو اخبارات کو ارسال کی گئیں۔[۲۲]

انجمن اہل سنت و جماعت ہوشیارپور کا چھٹا سالانہ جلسہ ۱۸۔۲۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو منعقد ہوا۔ جلسہ کے آخری دن مولانا خواجہ محمد نواب الدین چشتی رمداسی (۱۸۷۰ء۔۱۹۴۶ء) کی تحریک پر ساردا بل کے خلاف ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا کہ یہ بل مداخلت فی الدین ہے اس لیے حکومت مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دے ورنہ مسلمان اس کی خلاف ورزی پر مجبور ہوں گے۔(۲۳)

۶ نومبر ۱۹۲۹ء کو انجمن خادم الاسلام ضلع امرتسر کا ایک غیر معمولی اجلاس ہوا جس میں سارداایکٹ کے خلاف قرارداد منظور کرنے کے علاوہ ان مسلم ارکان اسمبلی کی بھی مذمت کی گئی جنہوں نے بل کی حمایت کی تھی۔(۲۴)

۸ نومبر ۱۹۲۹ء کو مسلمانان محلہ شولہ برمپور بارکس کا ایک جلسہ ، مسجد اہل سنت وجماعت ، بلٹن لین میں بعد از نماز جمعہ منعقد ہوا۔ جس کی صدارت مولانا محمد عبدالجلیل شریف قادری نے کی۔ جلسہ میں علماء نے اپنی تقاریر میں سارداا بل کی مخالفت کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کیا جائے۔ اسی دن مسلمانان رانی کھیت کا بھی ایک احتجاجی جلسہ جامع مسجد میں ہوا۔ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ کیا جائے کیونکہ یہ مداخلت فی الدین ہے۔ شرکاء جلسہ نے ان مسلم ارکان اسمبلی کی بھی مذمت کی جنہوں نے بل کی حمایت کی تھی۔ آخر میں گورنر جنرل کو اپنے مطالبات سے آگاہ کرنے کے لیے شرکاء جلسہ کی طرف سے اسے احتجاجی تار ارسال کیا گیا۔(۲۵)

پیر سیّد جماعت علی شاہ علی پوری (۱۸۴۱ء۔۱۹۵۱ء) ابتداء ہی سے سارداا بل کے مخالف تھے اور علی الاعلان کہتے تھے کہ "اگر اس تجویز کو قانونی شکل دی گئی تو سب سے پہلے میں اس کی مخالفت کروں گا اور اپنے مریدوں اور معتقدوں کو حکم دوں گا کہ ہزاروں کی تعداد میں کم سن بچوں کی شادی کر دیں"۔(۲۶) ۲۴ نومبر ۱۹۲۹ء کو بنگلور میں ایک جلسہ زیر صدارت پیر سیّد جماعت علی شاہ منعقد ہوا۔ جس میں شرکاء جلسہ کو وہ تار پڑھ کر سنایا گیا جو پیر علی پوری نے گورنر جنرل کو ارسال کیا تھا۔ تار میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ مسلمانوں

کو ساردا بل کے اطلاق سے مستثنیٰ کیا جائے کیونکہ اس ایکٹ کا نفاذ مسلمانوں کے احکام شریعت میں کھلی مداخلت ہے۔(۲۷) بعدازاں جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے پیر جماعت علی شاہ نے تمام مسلمانوں کو عموماً اور اپنے مریدوں کو خصوصاً تاکید کی کہ وہ اس بل کے خلاف احتجاج کریں اور ہر شہر میں احتجاجی جلسے کریں اور حکومت کو احتجاجی تار ارسال کریں۔ پیر علی پوری نے اپنی تقریر میں انگریزی سامراج کی اسلام دشمنی کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ یہ مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی محبت ختم کرنا چاہتا ہے۔ قانون تحدید عمر ازدواج پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے دین میں مداخلت ہے۔ اسلام میں شادی کرنا مذہبی فریضہ ہے۔ اسلام نے والدین کو اپنی اولاد کا ولی قرار دیا ہے اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق اولاد کی شادی کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اسلام میں شادی کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں۔ پیر جماعت علی شاہ نے سوالیہ انداز میں حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہندوستان میں نکاح کرنے کا کوئی قانون نہیں تو پھر یہ عمر کی قید والا قانون کیوں؟ پیر علی پوری نے اعلان کیا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم میں ابھی اسلامی حرارت موجود ہے اور ہم صرف اپنے قانون کی ہی پیروی کریں گے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ اگر یہ بل منظور ہوگیا تو سب سے پہلے میں ہی اس کی مخالفت اور قانون شکنی کروں گا اور کم سن لڑکیوں کے نکاح کراؤں گا۔ ملکہ وکٹوریہ کے اعلان نومبر ۱۸۵۸ء کی یاد دلاتے ہوئے پیر علی پوری نے حکومت پر الزام لگایا کہ وہ اس اعلان کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔(۲۸)

مجلس تحفظ ناموس شریعت نے مسلمانان ہند سے اپیل کی کہ وہ ساردا بل کے خلاف ۲۹ نومبر ۱۹۲۹ء، جمعۃ المبارک کو پرامن اور مکمل طور پر ہڑتال کریں، جلسے منعقد کریں اور یک زبان ہو کر اس خلاف شریعت قانون کی مذمت کریں۔(۲۹) چنانچہ مجلس تحفظ ناموس شریعت کی اپیل پر ۲۹ نومبر ۱۹۲۹ء کو ضلع مظفر پور کے علاقہ سرسنڈہ، موضع کوما میں مدرسہ نور العلوم میں ایک احتجاجی جلسہ ہوا۔ جس میں ساردا بل کی مذمت کرتے ہوئے اس کی بھرپور مخالفت کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اسی دن انجمن خادم الاسلام کڑہ حکیماں، امرتسر کے تحت ایک احتجاجی جلسہ ہوا۔ جس میں ایک قرارداد کے ذریعے بل کو خلاف

شریعت قرار دیتے ہوئے اس کی ہر ممکن مخالفت کرنے کا اعلان کیا گیا اور قرارداد کی نقل گورنر جنرل کو ارسال کی گئی۔ انجمن خدام الصوفیہ ہند (۱۹۰۱ء) کی مراد آباد شاخ کا بھی اسی دن ایک جلسہ ہوا۔ جس میں بل کو مسلمانوں کے لیے ناقابل عمل اور مداخلت فی الدین قرار دیتے ہوئے یکسر مسترد کر دیا گیا۔(۳۰) اس دن گوجرہ میں مکمل ہڑتال ہوئی اور بعد از نماز جمعہ ایک جلسہ ہوا جس میں ایک قرار داد کے ذریعے بل کو مداخلت فی الدین قرار دیتے ہوئے مطالبہ کیا گیا کہ اس بل سے مسلمانوں کو مستثنیٰ رکھا جائے۔ شرکاء جلسہ نے ان مسلم ارکان اسمبلی سے اعلان برأت کیا جنہوں نے بل کی حمایت کی تھی۔(۳۱)

۲ دسمبر ۱۹۲۹ء کو انجمن اہل سنت و جماعت اور انجمن رونق الاسلام، قصبہ پاورہ کے تحت ساردا ایکٹ کے خلاف، مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا، جس میں ایک قرارداد کے ذریعے شرکاء جلسہ نے ساردا بل کو شریعت میں مداخلت قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کرنے کا اعلان کیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ قرارداد میں ان مسلم ارکان اسمبلی کی سخت مذمت کی گئی جنہوں نے بل کی تائید کی تھی۔(۳۲)

انجمن خدام الصوفیہ کی رہتک شاخ کے تحت ۸ دسمبر ۱۹۲۹ء کو ایک جلسہ ہوا۔ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ مسلمانوں کو ساردا بل سے مستثنیٰ کیا جائے۔(۳۳)

انجمن خدام الصوفیہ کی آگرہ شاخ کے تحت ۱۵ دسمبر ۱۹۲۹ء کو ایک احتجاجی جلسہ ہوا۔ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ مسلمانوں کو ساردا ایکٹ سے مستثنیٰ کیا جائے۔(۳۴)

گجرات میں ۲۰ دسمبر ۱۹۲۹ء کو مسجد حاجی پیر بخش میں بعد از نماز جمعہ ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت پیر سیّد ولایت شاہ گجراتی (۱۸۸۸ء۔۱۹۷۰ء) نے کی۔ جلسہ میں منظور کردہ ایک قرارداد میں واضح طور پر اعلان کیا گیا کہ قانون تحدید عمر ازدواج خلاف شریعت اسلامی ہے۔ مسلمان اس کو ہرگز نہیں مانتے اس لیے ان کو اس قانون سے مستثنیٰ کیا جائے۔(۳۵)

۲۲۔۲۳ دسمبر ۱۹۲۹ء کو کان پور میں مؤتمر اسلامی اور علماء کانفرنس ، مولانا محمد علی جوہر (۱۸۷۸ء۔۱۹۳۱ء) کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ جس میں ملت اسلامیہ کو درپیش مہمات مسائل پر تفصیلی غور و خوض کیا گیا۔ مؤتمر اسلامی نے ایک تنقیدی کمیٹی تشکیل دی جس نے ساردا ایکٹ پر خصوصی طور پر غور کرتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا کہ یہ قانون ہندوستان کے دستور اساسی کے بھی خلاف ہے اور ملکہ وکٹوریہ کے اعلان نومبر ۱۸۵۸ء کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے شریعت اسلامیہ میں مداخلت ہو رہی ہے۔ ارکان کمیٹی کی رائے تھی کہ ساردا بل کا اصلاً تعلق ہندوؤں سے تھا اور مسلمانوں کو گورنر جنرل کی منظوری کے بغیر بل میں شامل کر لیا گیا ہے۔ لہذا یہ ہندوستان کے دستور اساسی مجریہ ۱۹۱۹ء کی دفعہ ۶۷۔(۲) ب کے خلاف ہے۔ اس لیے ساردا قانون کی کوئی قانونی و آئینی حیثیت نہیں لہذا اس کی خلاف ورزی بھی کوئی جرم نہیں۔[۳۶]

۲۷ دسمبر ۱۹۲۹ء کو علاقہ چھچھ کے علماء و مشائخ، مولانا محمد غوث کی دعوت پر حضرو میں جمع ہوئے تاکہ ساردا بل کے مضمرات پر غور و خوض کیا جا سکے۔ علماء و مشائخ کے اس نمائندہ اجتماع نے اتفاق رائے سے ساردا بل کو مسترد کر دیا اور اعلانیہ اس کی مخالفت کرنے کا فیصلہ کیا۔[۳۷]

جمعیت العلماء ہند (دسمبر ۱۹۱۹ء) کا سالانہ اجلاس عام، ۳۔۶ مئی ۱۹۳۰ء کو امروہہ میں ہوا۔ جس کی صدارت علامہ شاہ معین الدین احمد اجمیری (۱۸۸۲ء۔۱۹۴۰ء) نے کی۔ اپنے خطبہ صدارت میں علامہ اجمیری نے ساردا ایکٹ پر تفصیل سے تبصرہ کیا اور انگریزی سامراج کی جانب سے شریعت کی بتدریج تنسیخ اور اس میں کی جانے والی تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان تبدیلیوں کے باوجود ہنوز توریث، نکاح و طلاق وغیرہ سے متعلق معاملات مسلمانوں کے لیے شرع اسلامی اور ہندوؤں کے لیے دھرم شاستر کے قوانین کے مطابق فیصل ہوتے رہے ہیں۔ اب ساردا بل کے بعد ارباب مذہب اپنے اپنے مذاہب میں آزاد نہیں رہے۔ جس سے نہ صرف ناموس شریعت بلکہ اصل شریعت کا بھی استیصال ہو جائے گا۔[۳۸] ساردا ایکٹ کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے علامہ اجمیری نے کہا کہ مسلمان

کے لیے یہ ناقابل برداشت ہے کہ اس کے مذہبی اور شرعی احکام میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے۔ اسلام ہر حیثیت سے مکمل ہے اس لیے مسلمان اپنے جماعتی نظام اور اسلامی تمدن و معاشرت میں دوسروں کے مشورے یا ان کی معاونت و اصلاح سے قطعاً بے نیاز ہیں۔ ساردا ایکٹ کے ذریعے مسلمانوں کو یہ باور کرایا گیا کہ اسلام بھی ہندومت کی طرح قابل اصلاح ہے۔ یہ درحقیقت مسلمانوں کی مذہبی خودداری پر حملہ ہے۔ علامہ اجمیری نے اپنے خطبہ کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ یہ ایکٹ ہندوؤں کے لیے تھا اور ان کے لیے مفید بھی تھا لیکن حکومت نے بلا ضرورت مسلمانوں کو بھی شامل کر دیا ہے۔ جبکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تمدن و معاشرت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ سن بلوغ کی قید لگا کر مقررہ معیاد سے پہلے نکاح کرنا تو ناجائز ہے لیکن اس مقررہ معیاد سے پہلے بالغ ہونے والے لڑکے اور لڑکی کے مبتلائے زنا ہونے پر کوئی پابندی نہیں، جس کے ذریعے ہندوستان، خصوصاً مسلم معاشرے میں زنا کو عام کیا جا رہا ہے۔[۳۹] علامہ اجمیری نے شرکاء اجلاس عام کو متنبہ کیا کہ اگر آج حکومت کو اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ ہمارے فقہی و معاشرتی معاملات میں دست اندازی کرے، تو وہ آئندہ اس سلسلے میں مزید اقدامات کرے گی۔ نکاح ایک مخصوص مذہبی مسئلہ ہے یہ صرف معاشرتی معاہدہ نہیں ہے اس لیے اسلامی زندگی اور اسلامی قوانین میں ساردا بل جیسے قانون کی قطعاً ضرورت نہیں۔[۴۰] علامہ اجمیری نے اپنے خطبہ صدارت کے آخر میں تاریخی و آئینی حوالوں سے ساردا ایکٹ کو مروجہ قوانین اور آئین کی رو سے کالعدم ثابت کرتے ہوئے کہا کہ ”شاردا ایکٹ کے نفاذ نے تو بالکل حقیقت کو طشت از بام کر دیا، کہ یہ غیر ملکی حکومت ہماری تمام مذہبی، معاشرتی خصوصیات کو فنا کرنے کا تہیہ کر چکی ہے“۔[۴۱]

جمعیت العلماء ہند کے اس اجلاس عام کے اختتام پر مختلف امور پر تجاویز پیش ہوئیں۔ تجویز نمبر ۲ (ج) ساردا ایکٹ سے متعلق تھی، جس میں اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ ساردا ایکٹ کے ذریعے مسلمانوں کے پرسنل لاء پر شدید حملہ کیا گیا ہے جس کا مقصد مسلمانوں کے دین و ملت کو برباد کرنا ہے اور یہ طرز عمل مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت

ہے۔ تجویز میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا گیا کہ مسلمانوں کے سخت احتجاج کے باوجود حکومت نے آج تک اس بل سے مسلمانوں کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ اس لیے حکومت کے تمام مفاسد کے سدباب اور ناموس شریعت کی حفاظت کے لیے آخری صورت یہ ہے کہ ملک و ملت کو حکومت کے تسلط سے مکمل طور پر آزاد کرایا جائے۔ چنانچہ تجویز کے آخر میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ وہ

> ملک و ملت کی آزادی اور اپنے پرسنل لاء کی حفاظت کے لیے پورے جوش اور کامل استقلال سے احکام شرعیہ کے موافق کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کرتے ہوئے سرفروشانہ پرامن جنگ آزادی کی راہ میں گامزن ہوں۔(۴۲)

جمعیت العلماء ہند کے اس سالانہ اجلاس میں مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (۱۸۷۵ء۔۱۹۵۲ء) صدر جمعیت العلماء ہند، مولانا محمد نعیم لدھیانوی (۱۸۸۹ء۔۱۹۷۰ء) اور مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۸۹۱ء۔۱۹۶۱ء) پر مشتمل ایک تین رکن کمیٹی بنائی گئی جس کا اولین مقصد یہ تھا کہ وہ مخصوص ملی نظام کے ماتحت حصول آزادی اور تحفظ پرسنل لاء کے واسطے سول نافرمانی کا پروگرام مرتب کرے اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دے۔(۴۳)

مولانا ابو البرکات سیّد احمد قادری (۱۹۰۶ء۔۱۹۷۸ء) نے ۶ مئی ۱۹۳۰ء کو لاہور میں علماء کے ایک اجلاس میں قانون انسداد نکاح بچگان کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ جب سے انگریز نے ہندوستان پر قبضہ کیا ہے اس کی یہی کوشش رہی ہے کہ وہ نہایت مکاری و عیاری سے شریعت کے احکام کو پامال کرے اور مسلمانوں کے اذہان سے اسلام کی عظمت کو ختم کر دے۔ اسلامی تعلیم، تہذیب و تمدن اور اسلامی اقدار کو تو انگریز پہلے ہی رفتہ رفتہ ختم کر چکا ہے۔ دیوانی اور فوجداری مقدمات میں بھی انگریز نے اپنے خود ساختہ ضابطوں کو نافذ کر دیا ہے۔ اب ساردا ایکٹ کے ذریعے نکاح و طلاق کے مسائل میں بھی دخل اندازی کی جا رہی ہے۔ مولانا قادری نے خیال ظاہر کیا کہ بظاہر یہ ایکٹ صرف نکاح

صغر سنی کی ممانعت سے متعلق ہے مگر اس کی تہہ میں انگریز کا جو جذبہ کام کر رہا ہے وہ صرف یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ہر معاملہ میں شریعت کے احکام کا پاس و لحاظ ختم کر دیا جائے۔(۴۴)

۳۱ مارچ۔ یکم اپریل۱۹۳۱ء کو کراچی میں جمعیت العلماء ہند کا سالانہ اجلاس زیر صدارت مولانا ابوالکلام محی الدین احمد آزاد (۱۸۸۸ء۔۱۹۵۸ء) منعقد ہوا۔ خطبہ صدارت دیتے ہوئے مولانا آزاد نے اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ صغر سنی کی شادی اسلامی روح کے خلاف ہے۔ تاہم مجبوری کی حالتوں میں اور خاص صورتوں میں صغر سنی کی شادی کا جواز ملتا ہے۔ مولانا آزاد کے خیال میں اسمبلی میں جس صورت ساردا قانون منظور ہوا ہے اس کو کسی طرح برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے مولانا آزاد نے اس بات پر زور دیا کہ آئندہ دستور اساسی میں اس قانون کو شامل نہ کیا جائے۔ انہوں نے مروجہ محمڈن لاء کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سخت ناقص اور مسلمانوں کے لیے مضر ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کے مذہبی احکام کے تحفظ کی سخت ضرورت ہے۔(۴۵)

مفتی سید لعل شاہ چشتی دوالمیالوی (م۔۱۹۴۷ء) نے علاقہ کہون اور جھنگڑ کے مواضعات اور قصبہ چوآسیدن شاہ میں ساردا بل کے خلاف تقاریر کے ذریعے اور کتب و رسائل تقسیم کر کے اس خلاف شرع قانون کے خلاف رائے عامہ کو منظم کیا۔(۴۶)

پارلیمانی جدوجہد

ساردا ایکٹ کو کالعدم قرار دینے کے لیے مسلمانان ہند نے ہر ممکن طریقہ احتجاج اختیار کیا۔ اس سلسلے میں مسلمان علماء و زعماء کے نمائندہ وفود گورنر جنرل اور ارکان اسمبلی سے ملاقاتیں کرتے رہے اور ان پر اس ایکٹ کے بارے میں اپنے تحفظات کا برملا اظہار کرتے رہے۔ ساتھ ہی بعض مسلم ارکان اسمبلی نے اسمبلی کے اندر اس قانون کی مخالفت کی۔

مؤتمر اسلامی کے صدر مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں پچیس مسلم زعماء کے ایک نمائندہ وفد نے ۹ نومبر ۱۹۲۹ء کو گورنر جنرل سے ملاقات کی اور اسے ایک مفصل اور جامع یادداشت پیش کرتے ہوئے ساردا بل سے متعلق مسلمانوں کے جذبات اور تحفظات سے آگاہ کیا اور حکومت پر واضح کیا کہ یہ قانون خلاف اسلام ہے، مداخلت فی الدین ہے اور مسلمانوں کے پرسنل لاء میں صریحاً تبدیلی ہے۔ مولانا جوہر نے قرآن مجید، احادیث نبوی، اقوال صحابہ کرام و فقہاء اور مسلم تاریخ سے متعدد حوالے دے کر واضح کیا کہ اسلامی قوانین کی روح، مزاج اور ان کا مقصد یورپی اور ہندوؤں کے قوانین سے ہر طرح مختلف ہیں۔ اسلام کے نزدیک انسانی زندگی ایک کل ہے۔ اس کو دینی اور دنیوی شعبوں میں الگ الگ تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس کے کسی ایک جزء کا انکار کر کے کسی دوسرے جزء پر عمل کرنا خلاف اسلام ہے۔ اسلامی قوانین الہامی اور ابدی ہیں اس لیے ان میں کسی قسم کی تبدیلی، اصلاح اور ترمیم کی گنجائش نہیں۔ اسلام میں حلال اور حرام واضح طور پر بیان شدہ ہیں اور ان پر ثواب یا عذاب کا بیان بھی موجود ہے۔(۴۷)

ساردا بل پر تبصرہ کرتے ہوئے یادداشت میں واضح کیا گیا کہ اسلام میں والدین یا سرپرست اپنی اولاد کی شادی کا اختیار رکھتے ہیں چاہے وہ نابالغ ہی ہو۔ یہ اختیار فطرت سلیم کے قریب تر ہے۔ دنیوی عائلی قوانین صرف انسانی صحت کے لیے مفید ہو سکتے ہیں جبکہ اسلامی عائلی قوانین صحت کے ساتھ ساتھ انسانی روح کے لیے بھی مفید ہیں۔ ساردا بل نابالغوں کی شادی پر تو پابندیاں عائد کرتا ہے مگر بغیر شادی کے ملاپ پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ مولانا جوہر نے تحدید عمر ازدواج کے مضر اثرات کے ثبوت میں یورپی معاشرے کی متعدد مثالیں دیتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ اسلام نے نکاح کے لیے جو کسی خاص عمر کی پابندی نہیں لگائی تو یہ اعتدال کا راستہ ہے جس کی قدر کرنی چاہیئے نہ کہ اس کو ختم کرنا چاہیئے۔(۴۸)

اسمبلی کی سیلکٹ کمیٹی کے طریقہ کار اور رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے یادداشت میں کہا گیا کہ کمیٹی میں کوئی جید عالم دین شامل نہ تھا بلکہ وہ تمام لوگ اس میں شامل تھے جو پہلے ہی سے ساردا بل کے حامی تھے ان کی سفارشات اسلامی قوانین سے عدم واقفیت پر مبنی ہیں۔ کمیٹی کا سوالنامہ بھی اسلامی نقطہ نظر سے نامکمل تھا۔ ہندوستان بھر سے صرف چھتیس مسلمانوں نے اس کا جواب دیا۔(۴۹) سیلکٹ کمیٹی کی رپورٹ کے بارے میں یادداشت میں کہا گیا کہ یہ اسلامی قوانین کی کھلی تحریف ہے اور ماخذ قانون اسلامی کی اصل غرض و غایت سے عدم واقفیت کی واضح مثال ہے۔ یادداشت میں اس بات کی تردید کی گئی کہ ساردا بل کے خلاف علماء ہند کا اجماع نہیں جس کی وجہ سے حکومت اور ارکان اسمبلی کو دھوکہ ہوا ہے کہ یہ بل مداخلت فی الدین نہیں ہے۔ اسی طرح یادداشت میں اس بات کی بھی تاریخی حوالوں سے تردید کی گئی کہ نابالغوں کی شادی سے پیدا ہونے والی اولاد کمزور اور صالح نہیں ہوتی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلم تاریخ کے جو روشن ستارے اور راہنما ہیں ان میں سے عظیم اکثریت کم سنی کی شادی سے پیدا ہوئے تھے۔(۵۰)

مولانا جوہر نے گورنر جنرل کے توسط سے حکومت سے اپیل کی کہ وہ مسلم زعماء و علماء کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اسمبلی میں ترمیمی بل پیش کرے اور مسلمانوں کو ساردا بل سے مستثنٰی قرار دے تاکہ مسلم پرسنل لاء کا تحفظ ہو سکے اور مسلمانوں میں پیدا ہونے والی بے چینی کو بھی دور کیا جا سکے۔ آخر میں گورنر جنرل پر یہ بات واضح کر دی گئی کہ مسلمان اپنے دین اور شریعت میں ہرگز کسی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کریں گے اور وہ ساردا ایکٹ کے پابند نہیں ہوں گے۔(۵۱) مسلم زعماء کے اس نمائندہ وفد کو گورنر جنرل نے یقین دلایا کہ مسلمانوں کے تمدن اور معاشرت اور قومی اخلاق کی حفاظت کی جائے گی۔

ساردا بل کی اوّلین صورت کی حمایت کرنے والے مسلم ارکان اسمبلی نے اس کی تبدیل شدہ صورت کی بھرپور مخالفت کی۔ ستمبر ۱۹۲۸ء میں جب سیلکٹ کمیٹی نے اپنی رپورٹ اسمبلی میں پیش کی تو بائیس مسلم ارکان اسمبلی نے بل کے اصل مسودہ میں تبدیلی کر کے مسلمانوں کے پرسنل لاء میں مداخلت کرنے کی بھرپور مخالفت کی۔ ایک رکن اسمبلی

نے ہوم ممبر کو ہندوستان کے چوہتر علماء کا متفقہ فتویٰ دکھایا جس میں سارداابل کی مخالفت کی گئی تھی۔ فروری ۱۹۲۹ء میں جب یہ بل اسمبلی میں دوبارہ غور کے لیے پیش ہوا تو ایک مسلم رکن نے نقطہ اعتراض پیش کیا کہ کیونکہ موجودہ بل تبدیل شدہ ہے اس لیے قانونی طور پر گورنر جنرل سے اس کی از سر نو منظوری لینا ضروری تھی، جو کہ نہیں لی گئی۔ اس لیے مسلمانوں کو اس بل سے مستثنیٰ کیا جائے۔ تاہم صدر اسمبلی نے یہ نقطہ اعتراض مسترد کر دیا۔ ستمبر ۱۹۲۹ء میں جب بل حتمی منظوری کے لیے اسمبلی میں پیش ہوا تو اس کو فوراً ہی منظور کر لیا گیا۔ حالانکہ سولہ مسلم ارکان اسمبلی نے تحریری طور پر اس کی مخالفت کی تھی اور بارہ ارکان اسمبلی نے مسلمانوں کو ساردا بل سے مستثنیٰ کیے جانے کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ سات مسلم ارکان اسمبلی نے بل کے اصلی صورت میں منظور کرنے کے حق میں رائے دی تھی۔ تاہم کونسل آف سٹیٹ کے تمام مسلم ارکان نے ساردا بل کے خلاف ووٹ دیا۔ خان بہادر وجیہ الدین رکن اسمبلی نے اسمبلی میں سوال پیش کیا کہ "کیا حکومت اس امر سے آگاہ ہے کہ قانون انسداد نکاح صغر سنی کے منظور ہونے سے مسلمانوں میں علی العموم اور علماء میں علی الخصوص غم و غصہ کا ایک طوفان برپا ہے اور اگر ایسا ہے تو کیا حکومت از راہ کرم اس امر کی معقولیت پر غور کرے گی کہ مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ کیا جائے"۔ (۵۲)

عملی مخالفت

ساردا بل مسلمانان ہند کی تمام تر مخالفت کے باوجود جب قانون بن گیا تو اب مسلمانوں نے آخری حربے کے طور پر اس کی عملی طور پر علی الاعلان مخالفت اور قانون شکنی کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔ یکم اپریل ۱۹۳۰ء کو جب اس قانون نے عملی طور پر نافذ ہونا تھا۔ اس دن ہندوستان بھر میں مسلمانوں نے دانستہ طور پر "نابالغ" لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح منعقد کرائے اور اس کی اطلاع مقامی حکومتی اہلکاروں کو خود دیتے رہے۔ تاہم چند مقامات کے سوا، حکومت نے بھی عام طور پر اس قانون کی خلاف ورزی پر مسلمانوں کے خلاف کوئی سخت اقدامات نہیں کیے۔

یکم اپریل ۱۹۳۰ء کو پیر سیّد جماعت علی شاہ نے پشاور میں کئی "نابالغوں" کے نکاح پڑھائے۔(۵۳) جبکہ گوجرانوالہ میں دو اور لدھیانہ میں تین نکاح پڑھائے گئے۔(۵۴) دہلی میں مجلس تحفظ ناموس شریعت اور جمعیت العلماء ہند کی زیر سرپرستی مسلمانان دہلی کا ایک جلسہ، جامع مسجد دہلی میں منعقد ہوا۔ جس میں الطاف الرحمٰن (عمر ساڑھے اٹھارہ سال) کا نکاح حسینہ خانم (عمر بارہ سال) سے کیا گیا اور نکاح نامہ کی نقل مقامی مجسٹریٹ کو ارسال کی گئی۔(۵۵) ۲ اپریل ۱۹۳۰ء کو سنٹرل خلافت کمیٹی (۱۹۱۹ء) کے تحت پشاور کے محلہ گنج میں "نابالغ" لڑکے لڑکی کا نکاح ہوا۔ اس دن شہر میں مکمل ہڑتال تھی اور بارات کے جلوس کو پورے شہر میں گھمایا گیا۔(۵۶) مئی ۱۹۳۰ء میں پیر سیّد جماعت علی شاہ نے اپنے سترہ سالہ پوتے سیّد اختر حسین شاہ (م۔۱۹۸۰ء) کا نکاح تیرہ سالہ لڑکی سے کرایا۔(۵۷) مفتی فقیر اللہ، مفتی پنجاب نے اپنے بیٹوں کے نکاح کم سنی میں پڑھائے۔(۵۸) رہتک میں ایک مسلمان کو ساردا ایکٹ کی خلاف ورزی پر سزا ہوئی تو گورنر پنجاب نے اس کی سزا معاف کر کے ڈپٹی کمشنر کو اس مسلمان کو رہا کرنے کو کہا۔(۵۹) شکار پور ڈویژن میں تقریباً پانچ سو "نابالغوں" کی شادیاں ہوئیں اور حیدر آباد اور سندھ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹز کی عدالتوں میں ساردا ایکٹ کے تحت پہلی مرتبہ مقدمات دائر کیے گئے۔(۶۰)

حکومت کا اعلان ترمیم

قانون تحدید عمرازدواج کی مسلمانوں کی طرف سے شدید اور متفقہ مخالفت اور خلاف ورزیوں کو دیکھتے ہوئے حکومت نے ایک بیان جاری کیا کہ حکومت اس قانون کے بارے میں مسلمانوں کے جذبات کے مطابق ترمیم کرنے کے مسئلہ پر غور کر رہی ہے اور اس سلسلے میں چند علماء سے استصواب رائے بھی کیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس قانون سے شریعت اسلامیہ پر کس حد تک اثر پڑا ہے اور اس کے انسداد کے لیے کیا ترامیم ضروری ہیں۔(۶۱)

حکومت کے اس بیان پر جماعت رضائے مصطفیٰ کی طرف سے ردعمل کا فوری اظہار کیا گیا اور اس خدشہ کا اظہار کیا گیا کہ حکومت صرف اپنے خطاب یافتہ علماء سے ہی استصواب رائے کرے گی۔ جن پر مسلمانان ہند کو اعتماد نہیں اور ان کی ذاتی رائے کو بنیاد بنا کر اگر کوئی ترمیم کی گئی تو مسلمان اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ اس کے برعکس حکومت کو چاہئے کہ وہ ہندوستان کے جیّد علماء سے اس مسئلہ پر استصواب رائے کرے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے۔(۶۲) علاوہ ازیں جماعت رضائے مصطفیٰ کی طرف سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ اس قانون میں کوئی ترمیم مسلمانوں کے بھڑکتے ہوئے جذبات کو ٹھنڈا نہیں کر سکتی اور وہ کسی حال میں کسی ترمیم پر راضی نہیں ہو سکتے، اس لیے حکومت کو چاہئے کہ وہ اس قانون کو منسوخ کرے۔(۶۳)

ساردا بل کے مسلم حامی اور ان کا رد

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری (۱۸۷۰ء۔۱۹۴۸ء) اگرچہ نابالغ لڑکی کے نکاح کے قائل تھے تاہم ان کے خیال میں خرد سالی کے نکاح سے بکثرت خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ صغر سنی میں نکاح شدہ لڑکیاں نصف سے زیادہ غیر آباد اور مبتلائے مصائب رہتی ہیں۔ اس لیے ساردا ایکٹ "مسلمانوں کو مضر نہیں بلکہ بعض حالتوں میں بے زبان لڑکیوں کے حق میں مفید ہے"۔(۶۴) اہل حدیث کانفرنس دہلی کی مجلس شوریٰ کے اجلاس، منعقدہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ساردا بل سے متعلق خیالات کو رد کرتے ہوئے ان سے اپیل کی گئی کہ وہ اپنے خیالات سے رجوع کریں اور اس مسئلہ میں سواد اعظم کا ساتھ دیں۔(۶۵) اپریل ۱۹۳۰ء میں مولانا امرتسری نے حکومت کو تجویز پیش کی کہ وہ زوجین کی عمر کی حد میں دو دو سال کی کمی کر دے۔ اس تجویز پر علماء احناف نے سخت گرفت کی اور عہد نبوی سے متعدد مثالیں بیان کر کے ثابت کیا کہ نکاح کے لیے کسی خاص عمر کا تعین کرنا خلاف اسلام ہے۔(۶۶)

قائداعظم محمد علی جناح (۱۸۷٦ء۔۱۹۴۸ء) ساردا ایکٹ کے حامی تھے۔ ان کے خیال کے مطابق اس ایکٹ سے معاشرے میں رائج بری رسوم و رواج کی اصلاح ہو گی۔(٦٧) ۱۱ ستمبر ۱۹۲۹ء کو اسمبلی میں بل پر تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے تسلیم کیا کہ ہندوستان میں کم سنی کی شادی ایک سنگین سماجی اور غیر انسانی مسئلہ ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں رائج ہے۔ انہوں نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا کہ شادی بیاہ کے قوانین کا تعلق مذہب سے نہیں اور ہندوستان میں رائج محمڈن لاء کے تحت شادی صرف ایک معاشرتی معاہدہ ہے۔ انہوں نے سوال کیا کہ یہ کہاں درج ہے کہ مسلمان اپنی لڑکیوں کی شادی چودہ سال کی عمر سے پہلے کر دیں؟ اینگلو۔ انڈین قانونی کتب کے حوالے سے قائداعظم نے کہا کہ محمڈن لاء کے تحت بلوغت کی عمر چودہ سال ہے۔ انہوں نے اس بات سے انکار کیا کہ اس بل کے منظور ہو جانے سے مسلمانوں کے سول قوانین کی خلاف ورزی ہوگی۔(٦٨) اپنی تقریر کے آخر میں قائداعظم نے حکومت کی تعریف کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ اس نے عوام کی سماجی اور معاشرتی حالت بہتر بنانے کے لیے جو اقدامات کرنا شروع کیے ہیں وہ ان کو جاری رکھے گی۔ قائداعظم نے مزید کہا کہ ہمیں رائے عامہ کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے اور اس بل کو منظور کر لینا چاہیئے۔(٦٩)

ساردا بل سے متعلق قائداعظم محمد علی جناح کے ان خیالات کے مشتہر ہونے کے بعد مولانا ابوالبرکات سیّد احمد قادری کی قیادت میں علماء کا ایک وفد دہلی میں ان سے ملا اور انہیں مسئلہ کی اصل نوعیت کے بارے میں شرعی احکام سے آگاہ کیا۔ وفد نے دیگر مسلم ارکان اسمبلی سے بھی ملاقات کی اور بل سے متعلق ان کے شکوک و شبہات کو قرآن مجید اور سنت نبوی کی روشنی میں دور کیا۔(۷۰)

درگاہ خواجہ نظام الدین اولیاء (۱۲۳۸ء۔۱۳۲۵ء) کے سجادہ نشین خواجہ حسن نظامی(۱۸۷٦ء۔۱۹۵۵ء) بھی ساردا ایکٹ کے پرجوش حامی تھے۔ انہوں نے ۱۷ اپریل ۱۹۲۸ء کے اخبار <u>ینگ مسلم</u> (دہلی) میں ایک مضمون شائع کرایا جس میں ساردا ایکٹ کی

حمایت کرتے ہوئے لکھا کہ یہ اسلامی شریعت کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ ان کروڑوں نو مسلم ہندوستانیوں کے لیے از حد مفید ہے جن کے ہاں ہندو نسل کے سبب بچپن کی شادیوں کا رواج ہے۔ خواجہ نظامی اپنے مضمون میں آگے لکھتے ہیں کہ اگر یہ ایکٹ عملی طور پر نافذ ہوگیا تو ہندوستان کی ایسی لاکھوں لڑکیوں کے واسطے موجب رحمت ہوگا جو اس وقت نام نہاد دیوتائی مذہب کے ناقابل برداشت تکلیف دینے والی گاڑی کے پہیوں میں گھسیٹی جا رہی ہیں۔(۷۱)

ساردا ایکٹ کے بارے میں خواجہ حسن نظامی کے ان خیالات کا بلیغ و مدلل رد، جماعت رضائے مصطفیٰ کی طرف سے کیا گیا۔ قرآن مجید، احادیث نبوی اور اجماع و قیاس کے حوالوں سے ثابت کیا گیا کہ بچپن کی شادی اسلامی قانون کے مطابق اور شرعی احکام کے موافق ہے۔ جمہور علماء ہند کے متفقہ فتویٰ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے جماعت رضائے مصطفیٰ کی طرف سے کہا گیا کہ قانون انسداد شادی بچگان، اسلامی شریعت کے خلاف ہے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کی طرف سے خواجہ نظامی پر الزام لگایا گیا کہ وہ اسلامی معاشرے میں مغربی تہذیب رائج کروا کر عوام کو اسلام اور علماء سے بددل کرنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی اسلامی قانون کی جامعیت کا انکار کرتے ہوئے غیر مسلم اقوام کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام میں بھی وہ کفری رسوم و رواج ہیں جن کی اصلاح کے مسلمان آرزومند ہیں۔(۷۲)

اختتامیہ

دھرم شاستر کے احکام کی رو سے ازدواج کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ بیوہ چاہے جوان ہی کیوں نہ ہو، دوسری شادی کرنے کی مجاز نہیں ہے اور طلاق دینا بھی جائز نہیں ہے۔ دھرم شاستر کے احکام کی رو سے نابالغی سولہ سال کی عمر میں ختم ہوتی ہے جبکہ بنگال میں نابالغی پندرہ سال کے اختتام پر ختم ہو جاتی ہے۔(۷۳) ہندو معاشرے میں کیونکہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ دھرم شاستر میں تبدیلی کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے جدید ہندو طبقہ شادی کی ان قدیم رسوم و رواج کا مخالف رہا ہے۔ جس کا اظہار ساردا

بل میں کیا گیا ہے۔ یہ بل ایک ہندو رکن اسمبلی کا پیش کردہ تھا جس کا مقصد ہندو معاشرے میں رائج شادی کی فرسودہ اور قدیم رسوم و رواج کا ختم کرنا تھا۔ خصوصاً کم سنی کی شادی، تاکہ زچہ و بچہ کی صحت پر اس سے پڑنے والے مضر اثرات کو ختم کیا جا سکے اور آنے والی ہندو نسل صحت مند ہو۔ اگرچہ ہندوؤں کی اکثریت، خصوصاً برہمن اس بل کے خلاف تھی لیکن اس بل کو غیر ضروری طور پر مسلمانوں پر لاگو کرنا ایسا اقدام تھا کہ جس کو مسلمانان ہند کی عظیم اکثریت کسی صورت قبول کرنے کو تیار نہ تھی۔ مسلم دور حکومت (۱۲۰۷ء۔ ۱۸۵۷ء) میں ہندوستان کی غیر مسلم اقوام کے پرسنل لاء میں کبھی مداخلت نہیں کی گئی۔ اس لیے جب مسلمانوں کے پرسنل لاء میں حکومتی سطح سے مداخلت ہونا شروع ہوئی تو تمام مسلمان اس کے خلاف متحد ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ساردا بل اور قانون انسداد شادی بچگان، مسلمانوں کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بن گیا تھا۔ غیر منقسم ہندوستان کی تاریخ میں شاید ہی کوئی دوسرا ایسا شرعی مسئلہ ہوا جس پر مسلمانان ہند، بحیثیت ایک قوم کے اکٹھے ہو کر ایک متفقہ موقف حکومت کے سامنے پیش کر سکے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت کو اس قانون سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کرنا پڑا۔

حوالہ جات

۱۔ سلطان محمود، ساردا بل اور اسلام (دہلی: جید برقی پریس، س۔ ن)، ص ۲

۲۔ محمد جلال الدین قادری (مرتب)، ساردا ایکٹ اور علمائے حق (کھاریاں: حافظ محمد سعید احمد نقشبندی، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۰

3. Quoted in Afzal Iqbal, *Writings And Speeches Of Maulana Mohamed Ali*(Lahore: Islamic Book Foundation, 1987) , pp. 588-589.

۴۔ ساردا بل اور اسلام، حوالہ سابقہ، ص ۳

۵۔ ہفت روزہ الفقیہ (امرتسر)، ۷ اکتوبر ۱۹۲۹ء، ص ۱۰۔۱۱

۶۔ غلام مصطفیٰ قاسمی الامرتسری، "مسائل حاضرہ پر ایک نظر"، الفقیہ، ۲۱ جون ۱۹۲۸ء، ص ۵۔۶

۷۔ خلیل احمد بستوی ، " قانوناً عمر نکاح کی تعیین مداخلت فی الدین ہے"، ہفت روزہ اہلحدیث (امرتسر)، ۲۰ ستمبر ۱۹۲۹ء ، ص ۱۳

۸۔ نذیر احمد نجیبری، " ساردا بل اور مسلمان " ، الفقیہ ، ۷ اکتوبر ۱۹۲۹ء، ص ۴۔۵

۹۔ ابرار حسن صدیقی تلہری ، " احکام شریعت میں ناقابل برداشت رد و بدل: مسلمانوں پر شاردا بل کی مخالفت فرض ہے " ، الفقیہ ، ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۹ء ، ص ۲

۱۰۔ ایضاً ، ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء ، ص ۳۔۴

۱۱۔ شاہ حسین گردیزی، تجلیات مہر انور (اسلام آباد: مکتبہ مہریہ، ۱۹۹۲ء) ، ص ۹۷۸

۱۲۔ ساردا بل اور اسلام ، بحوالہ سابقہ ، ص ۸ ، ۱۲۔۱۳

۱۳۔ ایضاً ، ص ۱۷۔۱۸

۱۴۔ ایضاً ، ص ۲۰ ۔ ۲۴

۱۵۔ ایضاً ، ص ۲۴

۱۶۔ محمد مسعود احمد، تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم (لاہور: رضا پبلی کیشنز ، ۱۹۷۹ء) ص۱۶۸۔۱۷۰

۱۷۔ سیّد حبیب " قانون شاردا کی خلاف ورزی کے لیے امداد طلبی" ، الفقیہ ، ۲۸ مارچ ۱۹۳۰ء ، ص۷

۱۸۔ الفقیہ ، ۲۸ اگست ۱۹۲۸ء ، ص ۸

۱۹۔ محمد شہاب الدین رضوی، تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ (بمبئی: رضا اکیڈمی ، ۱۹۹۵ء) ، ص ۳۷۸۔۳۷۹

۲۰۔ الفقیہ ، ۷ نومبر ۱۹۲۹ء ، ص ۱۷

۲۱۔ اہلحدیث ، ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء ، ص ۱۴

۲۲۔ ماہنامہ یادگار رضا (بریلی) ، اکتوبر ۱۹۲۹ء ، ص ۶۔۷

۲۳۔ الفقیہ ، ۷ نومبر ۱۹۲۹ء ، ص ۱۹

۲۴۔ ایضاً ، ۲۱ نومبر ۱۹۲۹ء ، ص ۹

۲۵۔ ایضاً ، ۲۸ نومبر ۱۹۲۹ء ، ص ۹۔ ۱۰

۲۶۔ سیّد اختر حسین اور محمد طاہر فاروقی ، سیرت امیر ملت (علی پور سیداں : صاحبزادہ الحاج پیر سیّد اختر حسین شاہ، ۱۹۹۰ء) ، ص ۴۴۹

۲۷۔ ایضاً ، ص ۴۴۹

۲۸۔ ایضاً ، ص ۴۴۹۔ ۴۵۲

۲۹۔ الفقیہ ، ۲۸ نومبر ۱۹۲۹ء ، ص ۱۰

۳۰۔ ایضاً، ۷۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۲۹ء ، ص ۲۲۔ ۲۴

۳۱۔ ایضاً، ۱۴ جنوری ۱۹۳۰ء ، ص ۱۱

۳۲۔ ایضاً، ۱۴ جنوری ۱۹۳۰ء، ص۱۱

۳۳۔ ایضاً، ۱۴ جنوری ۱۹۳۰ء، ص ۱۱

۳۴۔ ایضاً، ۱۴ جنوری ۱۹۳۰ء، ص ۱۱

۳۵۔ ایضاً،۱۴ جنوری ۱۹۳۰ء، ص ۱۱

۳۶۔ ایضاً ، ۲۸ مارچ ۱۹۳۰ء ، ص ۷۔۸

۳۷۔ عابد حسین شاہ " تحریک ساردا بل اور علماء اہل سنت " ، ماہنامہ ضیائے حرم (لاہور) ، جون۱۹۹۵ء ، ص ۸۲

۳۸۔ پروین روزنیہ (مرتبہ) ، جمعیت العلماء ہند : دستاویزات مرکزی اجلاس ہائے عام ۱۹۱۹۔ ۱۹۴۵ء (جلد دوم) ، (اسلام آباد : قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت ، ۱۹۸۱)، ص۵۵۵۔۵۵۷۔

۳۹۔ ایضاً ، ص ۵۵۷۔ ۵۶۰

۴۰۔ ایضاً ، ص ۵۶۰۔۵۶۲

۴۱۔ ایضاً ، ص ۵۶۴

۴۲۔ ایضاً ، ص ۵۷۹

۴۳۔ ایضاً ، ص ۵۷۹۔ ۵۸۰

۴۴۔ سیّد محمود احمد رضوی (ترتیب)، سیدی ابو البرکات (لاہور : شعبہ تبلیغ دارالعلوم حزب الاحناف ، ۱۹۷۹ء) ، ص ۳۴

۴۵۔ جمعیت العلماء ہند : دستاویزات مرکزی اجلاس ہائے عام ۱۹۱۹۔ ۱۹۴۵ء، بحوالہ سابقہ ، ص ۶۰۹

۴۶۔ " تحریک ساردا بل اور علماء اہل سنت" ، بحوالہ سابقہ ، ص ۸۲۔ ۸۳

47. ***Writings and Speeches of Maulana Mohamed Ali, op. cit.,* pp.576- 577, 580**

48. ***Ibid.*, pp.581-583,585-586**

49. ***Ibid*, pp. 583, 588-589**

50. ***Ibid*, pp.589-592**

51. ***Ibid*, pp.595, 597**

۵۲۔ الفقیہ ، ۲۸ جنوری ۱۹۳۱ء ، ص ۱۲

۵۳۔ ایضاً ، ۱۴ اپریل ۱۹۳۰، ص ۱

۵۴۔ ایضاً ، ۷ اپریل ۱۹۳۰، ص ۱

۵۵۔ ایضاً ، ۷ اپریل ۱۹۳۰، ص ۱

۵۶۔ ایضاً ، ۷ اپریل ۱۹۳۰، ص ۱

۵۷۔ ایضاً ، ۱۴ مئی ۱۹۳۰، ص ۱۱

۵۸۔ ایچ ۔ بی ۔ خان ، برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار (اسلام آباد : قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، ۱۹۸۵ء) ، ص ۳۰۰

۵۹۔ الفقیہ، ۷۔۱۴ جولائی ۱۹۳۰ء ، ص ۱۱

۶۰۔ ایضاً ، ۲۱ جون ۱۹۳۱ء ، ص ۱۱

۶۱۔ تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، حوالہ سابقہ ، ص ۱۷۹

۶۲۔ ایضاً ، ص ۱۸۰۔۱۸۱

۶۳۔ ایضاً ، ص ۱۸۰

۶۴۔ ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری ، " ملکی مطلع: عمر نکاح کا بل پاس ہو گیا"، اہلحدیث ، ۴ اکتوبر ۱۹۲۹ء ، ص ۱۳

۶۵۔ اہلحدیث ، ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء ، ص ۱۴

۶۶۔ " تحریک ساردا بل اور علماء اہل سنت" ، حوالہ سابقہ ، ص ۸۳۔ ۸۴

67- M. Rafique Afzal,(ed). *Quaid-I-Azam M.A. Jinnah Speeches In The Legislative Assembly Of India 1924-1930* (Lahore: Research Society Of Pakistan, 1980), p. xxiv.

68. *Ibid*, pp. 309-311

69. *Ibid*, pp. 311-312

۷۰۔ سیدی ابو البرکات ، حوالہ سابقہ ،ص ۳۵

۷۱۔ ساردا ایکٹ اور علمائے حق ، حوالہ سابقہ ، ص ۱۱۔ ۱۲

۷۲۔ تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ ، حوالہ سابقہ ، ص ۱۸۴۔ ۱۸۶

۷۳۔ رائے بجناتھ (مولف)، دھرم شاستر(حیدر آباد دکن : انبکا پریس، ۱۹۲۵ء) ، ص ۴۶، ۶۵، ۸۲ اور ۱۸۱